مؤلف: امیر سیّد علی ہمدانی
مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض

# متکلمانہ سوالات و جوابات

حضرت میر سیّد علی ہمدانی شاہ ہمدان (۷۱۴-۷۸۶ھ) سے منسوب اس مختصر فارسی رسالے کا غالباً ایک ہی مخطوطہ ہے، جو اکادمی تاشقند (سوویٹ یونین) کے کتب خانہ میں نمبر ۳۳۳۹ ذیل ۷ کے تحت موجود ہے۔ راقم الحروف نے تہران یونیورسٹی کے مرکزی کتب خانے کے توسط سے اس کی نقل حاصل کی ہے۔ بظاہر شاہ ہمدانؒ کے بعض شاگردوں نے ان سے یہ سوالات پوچھے ہیں۔ امید ہے علم کلام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس مختصر رسالے کے اردو ترجمہ کو دلچسپی سے پڑھیں گے۔ ان باتوں سے کسی قدر آگاہی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ذات وصفات کی یہ بحثیں ہمارے کلاسیکی اسلامی اور ادبی سرمایہ کا جزو بن چکی ہیں۔ رسالہ صرف ۱۳ سوالات و جوابات پر مشتمل ہے جن کا تقریباً تحت اللفظ ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سوال ۱۔ اللہ تعالیٰ نے (احادیث کی رو سے) فرمایا ہے: کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف ــــ انی کنت کنزاً مخفیاً قبل ایجاد العالم والأحد۔ خدائے تعالیٰ اس وقت کس سے مخفی تھا؟ اگر اپنے سے مخفی رہا ہو تو اس سے جہل لازم آتا ہے، نعوذ باللہ۔ وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے، چوں کہ غیر از خدا کا وجود ہی نہ تھا تو یہ بتایا جائے کہ وہ ذات پاک کس سے مخفی تھی؟

جواب۔ اس باب میں مجاز کار فرما ہے۔ خدائے تعالیٰ کو اپنی ذات میں تعین تھا نہ کہ کسی غیر میں۔ اسی تعین اور عدم ظہور کو مخفی ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کنت کنزاً فی الازل وکنت عارفا بذاتی فی ذاتی ولم یکن شیئاً موجوداً حتی یعرف ذاتی والمخفی عبارۃ عن ھذا (میں ازل میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا مگر اپنی ذات کا عارف تھا اور کوئی چیز جب تک میری ذات کا عرفان حاصل نہ کرے، وہ واقعی موجود ہی نہیں ہو سکتی اور ایسی حالت کو مخفی یا پوشیدہ ہونا کہتے ہیں)۔

سوال ۲۔ ذات کا یہ ابدی تقاضا رہا کہ اسے پہچانا جائے۔ حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: فاحببت ان اعرف۔ جب ذاتِ خداوندی کا یہ ازل سے تقاضا رہا اور ذات کو اُس وقت بھی تمام کمالات حاصل تھے تو ایجادِ عالم میں یہ تاخیر کس لیے کی گئی ہے؟

جواب۔ یہ ایک مشکل سوال ہے اور اس کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ ایک محقق صوفی نے خوب کہا ہے کہ جس طرح تخلیقِ عالم ذات کا منشا تھا، اسی طرح خلق میں تاخیر بھی اسی کی طرف سے تھی۔ اور ذاتِ مطلق کو ہی سب کچھ کرنے کا اختیار ہے۔ یفعل مایشاء ویحکم مایرید۔ بہرحال ہمارا ایمان ہے کہ تخلیقِ عالم میں تاخیر و تانّی ذات کی کسی قدرت کے موقوف ہو جانے یا کسی امر کے حصول کی دشواری کی بنا پر ہرگز نہ تھی۔ یہ تاخیر ذات کی کسی ایسی با مصلحت حکمت کی بنا پر ہوئی، جس کا علم بھی اُسی کو ہے۔

سوال ۳۔ تخلیق و ایجادِ عالم سے ذاتِ متعال کا مقصد یہ تھا کہ اسماء الحسنیٰ کے اعیان کو ایک جامع صورت میں نمایاں اور ظاہر کر دیا جائے اور یہ "جامع صورت" آدم یا انسان کا وجود ہی ہے۔ اس صورت میں دوبارہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذات نے تخلیقِ کائنات سے اس قدر بعد تخلیقِ آدم کیوں فرمائی؟

جواب۔ عالمِ اسباب یا کائنات کو آدم کے کمالات کی جولانی کی خاطر تخلیق کیا گیا ہے تاکہ اس طرح اُس کی استعدادات کا ظہور ہو سکے۔ اسباب، باعثِ سبب پر مقدّم ہوتے ہیں۔ آدم خزانہ تھا اور کائنات خزانے کا مقام۔ جب تک خزانے کا مناسب مقام متعین نہ ہو، اُسے کس طرح بحفاظت رکھا جائے گا؟ محققین (صوفیہ) کے نزدیک پوری کائنات، عالمِ کبریٰ، ایک جسم کی مانند ہے اور آدم، عالمِ صغریٰ اس جسم میں دل کی مانند ہے۔ دل جیسی اہم چیز کی حفاظت کی خاطر جسم کا ہونا بہت ضروری ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عالم، بحرِ قدرت و تخلیق کا صدف ہے۔ اور آدم اس کا موتی۔ موتی کے وجود اور اس کے پرورش پانے کی خاطر صدف کا ہونا ضروری ہے۔ موتی اور صدف کی یہ مثال آدم و کائنات پر صادق آتی ہے۔

سوال ۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے تشریف لانا کس مصلحت کی بنا پر تھا؟ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

سے قبل تشریف لاتے رہے۔ اس میں کیا حکمت کارفرما تھی؟

**جواب۔** حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معنوی اور روحانی طور پر حضرت آدم علیہ السلام سے مقدم ہیں لیکن ظاہری اور صوری طور پر مؤخر ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے: اوّل ما خلق اللہ روحی۔ یہ صوری تاخیر اس لیے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُرِّ وجود کا صدف ہیں۔ اُس صدف کے دُرِّ خاتم آپؐ ہی ہیں۔ حکمت کا تقاضا تھا کہ صدف کو دُرّ کی حفاظت و صیانت کی خاطر پہلے وجود میں لایا جائے۔ ابتدا و انتہا، نیز وسط اور کمال آدمؑ، دوسرے انبیاء اور حضرت خاتم النبیینؐ کی مثال ہے۔ آدمؑ ابتدائے کمال، دوسرے انبیاء وسط الکمال اور نبی آخر الزماںؐ انتہائے کمال ہیں۔ ایک اور بات یہ نظر آتی ہے کہ آدم صفاتِ حق کا مظہر ہیں اور محمدؐ ذاتِ حق کے۔ اگرچہ صفات بھی ذات کی مانند قدیم ہیں مگر ذات کی طرف توجہ کرنے کے لیے پہلے صفات کو دیکھتے ہیں۔ یعنی ظاہر صفات سے باطن صفات کا راستہ ملتا ہے۔ حضرت آدم چونکہ مظہر صفات تھے، اس لیے پہلے تشریف لائے اور حضرت محمدؐ ذات کے مظہر کے طور پر سب انبیاء سے آخر ہیں۔ اگر کائنات کو ایک دیوانِ شعر سے تشبیہ دیں تو حضرت آدم اس دیوان کے قصیدہ اولیٰ کا مطلع ہیں اور حضرت محمدؐ اس قصیدہ کا بیتِ آخر ہی نہیں، "شاہ بیت" بھی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت آدم صفاتِ باری کے مظہرِ اوّل تھے، دوسرے انبیاء دوسرے مظاہر اور حضرت محمدؐ ان صفات کی باطنی اور اکمل صورت۔

**سوال ۵۔** یہ بات ازروئے کشف و عقل معلوم ہوگئی کہ کائنات اور آدم ــــ تمام ارضی، افلاکی، سفلی اور علوی نفوس ــــ کی تخلیق میں یہ حکمت تھی کہ خالق قادر خود کو "ماسوا" میں مشاہدہ کرے۔ اس صورت میں معلومات ازلی یعنی تعینات موجود اور مظاہر کو کس لیے معدوم اور نابود کیا گیا ہے؟

**جواب۔** جس افنا اور اعدامِ صُوَر کا آپ پوچھ رہے ہیں، یہ ماہیات کے مسلّمہ حقائق میں سے نہیں ہے۔ صور ابدان اور مظاہر اعیان میں فنا و تغیّر جاری و ساری رہتا ہے۔ صور کی تشکیل و تعمیر اور مختلف اشکال و ہیاکل کا متغیّر رہنا استکمالِ آدم کی خاطر تھا۔ نفوس ان جسمانی

ظاہری تبدیلیوں سے کمال پاتے ہیں اور " ہر کما سے راز دالے" کا عمل بھی جاری رہتا ہے اور ایسا ہونا لابدی ہے۔ ایک ہی ذات لایزال اور قیوّم ہے۔ باقی صور و اشکال کا افنا و اعدام جاری رہتا ہے اور کسی چیز کو بھی ابقا نہیں ہے۔ ذات نے صفات کے پرتو فگن ہونے کی خاطر تخلیقات کا عمل جاری رکھا ہے، اور تعینات کے پردے ڈال رکھے ہیں۔

سوال ۶۔ یہ بات محققاً" معلوم اور ہمارے ایمان کا جزو ہے کہ موجودِ واقعی، ذاتِ احد ہی ہے۔ اس وحدت کے باوجود یہ تعدّد و تکثّر کیوں نظر آرہا ہے؟

جواب - یہ تمام صور صفات کے مظاہر ہیں اور صفات کا تعدّد و تکثّر ایک بدیہی امر ہے۔ پس صور و اشیائے کائنات کا تعدّد صفات کے تابع ہے اور ذات کی احدیت اپنی جگہ مستقل ہے۔

سوال ۷۔ نوعِ انسان کی تکریم و تعظیم میں خدائے تعالیٰ کا ارشاد: 'ولقد کرّمنا بنی آدم' انسان کی ظاہری صورت کے بارے میں ہے یا یہ اس کے باطنی صفات کا مظہر ہے؟ انسان کی ظاہری صورت شاید مکرّم نہیں ہو گی کہ 'خلق الانسان ضعیفاً'، اور اس کے وجود کا بھی یہی حال ہے کہ 'انہ' کان ظلوماً جھولا' ان الجھنوں کا حل درکار ہے۔

جواب - انسان اپنے مجموعی اوصاف کی بنا پر مکرّم ہے اور اپنے ظاہری یا باطنی اوصاف میں سے کسی ایک خصوصیت کی بنا پر وہ حامل تکریم نہیں ہو سکتا۔ انوار الٰہی کی تجلیات اس کی مجموعی صفات کو متنیر فرماتی ہیں اور اس سے اُس کا شرف و درجہ اشرف المخلوقات کہلانے کا سزاوار بنتا ہے۔ انسانیت اسے حاصل ہے جو "روح قدسی" کے پرتو سے بہرہ مند ہو۔ انسان کی روح کو متجلّی ہونے اور صفاتِ ذات کو جذب کر لینے کی صلاحیت ودیعت کر دی گئی ہے اور اس سے استفادہ کرنا ہی تکریم انسانی کا مقام ہے۔ بالحق العلی الاعلی وکل ما اقرب باللہ اکرم من جمیع ما خلق اللہ۔

سوال ۸۔ گویا اس جواب سے معلوم ہوا کہ انسان کی تکریم اس بنا پر ہے کہ وہ صفاتِ ذات سے اقرب ہے۔ انسان کس بنا پر اقرب باللہ ہے؟

---

[1] الاحزاب آیہ ۷۲۔

**جواب**: اس کے کئی علل موجود ہیں ـــــ پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی وہ، بفحوائے حدیث: اوّل ما خلق اللہ تعالیٰ روحی' ایک انسان کامل کی روح تھی اور دوسری چیزیں اسی روح سے پیدا کی گئی ہیں۔ اس بات میں انسان کی اقربیت کو دیکھا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام اشیا کو اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ پیدا کیا مگر انسان کو بلا واسطہ ـــــ اور بلا واسطہ چیز اقرب ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ کائنات کی ہر چیز امر "کن" سے وجود میں آئی مگر آدم، ابوالبشر کو خدا نے خود بنایا اور اس میں روح پھونکی۔ قدرتِ تخلیق کے براہِ راست استعمال اور فعل "کن" کے امر کو نافذ فرمانے میں جو فرق ہے، وہ کافی نمایاں ہے۔ یہ عالم کبریٰ چھ دن میں مکمل ہو گیا مگر عالم صغریٰ، انسان کا خمیر چالیس روز تک تیار ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے درمیان مشیتِ ایزدی نے جو مراحل قائم فرمائے، وہ انسان کی عظمت کی دلیل ہیں۔ انسان کے اکرم ہونے کی یہ کیا کم دلیلیں ہیں؟

**سوال ۹**۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ تخلیق کائنات و آدم کے ذریعے خدائے تعالیٰ نے اپنے اسماء الحسنیٰ اور صفات کو "ماسوا" میں مشاہدہ فرمایا ہے مگر یہ مخلوقات، خدا کی کس صفت سے وجود میں آئی ہیں؟

**جواب**۔ مخلوقات و کائنات خدا کی صفتِ جمال سے پیدا ہوئی ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے: تصادم الجلال والجمال فغلب الجمال علی الجلال'۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'سبقت رحمتی علی غضبی'[۵] پس صفتِ جمال کا غلبہ مشیتِ یزدانی کے تحت تھا۔

**سوال ۱۰**۔ مراحل تخلیق میں صفتِ جمال کو صفتِ جلال پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟

**جواب**۔ اس کی وجہ صفتِ محبت ہے اور ربوبیت کا تقاضا۔ خالق کلّ شی نے کائنات کو ان پُر رافت صفات سے بہرہ مند کرنے کی خاطر صفت جمال کو جلال پر ترجیح دی ہے۔

**سوال ۱۱**۔ ذاتِ قدیم سے جب ہم صفتِ محبت کی نسبت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

---

[۵] سورہ النجم آیت ۷۹، ص، آیت ۷۲۔

**جواب** - محبّت، رجا و بیم کی حالت میں رضائے خداوندی کے حصول کی کوشش کو کہتے ہیں۔ وہ انسان محبّت کے دعوے میں پختہ ہے جو اپنی کوششوں کو جاری رکھے اور تقدیرات ازلی پہ ایمان لے آئے۔

**سوال ۱۲** - آپ کے نزدیک خدائے تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز تخلیق فرمائی تھی؟ میرا اشارہ بعض اختلافی روایات کی طرف ہے۔

**جواب** - اوّل ما خلق اللّٰہ روحی کے تحت عرفا کے نزدیک حضرت ختمی مرتبتؐ کی روحِ اقدس تھی۔ بعض حکما اور فلاسفہ روح، عقل، نور یا قلم میں سے کسی ایک کو اقدم مانتے ہیں مگر دراصل یہ چاروں چیزیں ایک ہی ہیں۔ جوہرِ حیات کی مناسبت سے اُسے روح لکھتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے: و نفخت فیہ من روحی۔ علم و معرفت کی بات کرتے ہوئے اس جوہرِ اوّل کو عقل کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے سوچتے ہوئے کہ وہی کائنات کا منبع ہے اور الواحِ کائنات پر تمام نقوش اسی نے ثبت فرمائے ہیں، جوہرِ ابتدائی کو قلم پکارتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ تخلیقِ اوّل، جوہرِ نورانی تھی اور حدوث ظلمت سے اسے منزّہ رکھا گیا ہے، اسے نور کہہ دیتے ہیں [ صاحبِ لولاکؐ وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں اسی خاطر آپؐ نے روحی یا نوری کے کلماتِ قدسی ارشاد فرمائے ہیں ]۔ یہ چاروں صفات، روح کے جواہر ہیں ـــــ روح کو یہ ساری صفات اس خاطر حاصل ہیں کہ اس کی نسبت نفخِ حیّ و قیّوم ہے۔ البتہ ان باتوں کی معرفت آسان نہیں۔ ہاں اگر اس ذاتِ قدیم کے علمِ قدیم کے پرتو سے کچھ بہرہ مل جائے۔ بہرحال اللّٰہ تعالیٰ کی صفتِ جمالی نے ان چار یا پانچ صفات کو واحد اُمتحد اُ مستنیر کر رکھا ہے۔

**سوال ۱۳** - روحِ انسانی، ذاتِ حق سے وجود میں آئی یا اس کی مبارک صفات سے؟

**جواب** - بعض بزرگوں نے فرمایا کہ روحِ انسانی، نورِ ذات سے وجود میں آئی اور بعض دوسرے محققین کے نزدیک صفاتِ جمال و جلال کے اتّصال سے۔ قطب الاقطاب شیخ نجم الدین الکبریٰ نے سید العارفین شیخ ابوبکر واسطی (رحمہما اللّٰہ) سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ: روحِ انسانی جمال اور جلال کی صفات کے تصادم اور اتّصال سے وجود میں آئی ہے ـــــ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

---